اِبتدائیہ

ہبوطِ آدم سے عروجِ آدمِ خاکی تک انسان اپنی ذات اور کائنات میں سفر کر رہا ہے۔ سفر قطعۂ سقر ہی نہیں وسیلۂ ظفر بھی ہے۔ اسی لیے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی زمین پر چل پھر کر دیکھو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت کے موتی پوری دُنیا میں بکھیر دیے ہیں۔ اس لیے علم ودانش کے جویا ہر جو کھم اُٹھا کر اس حکمتِ گم گشتہ تک پہنچتے ہیں اور اپنا دامن بھر لیتے ہیں۔

مسلمانوں نے اِبتدا ہی سے سفر کو کشائشِ رزق اور حصولِ علم کا ذریعہ بنایا اور دُنیا کے کونے کونے تک پہنچے۔ مسلمان پہلے فتح روم اور بعد ازاں صلیبی جنگوں کے دوران میں اہلِ یورپ سے متعارف ہوئے۔

مرورِ ایام کے ساتھ مسلمانوں کی گرفت کمزور پڑتی گئی اور یورپ کو عروج حاصل ہونے لگا۔ اہلِ یورپ نے جہاں زندگی کے ہر میدان میں پیش قدمی کی وہیں سیر وسیاحت اور نئی سرزمینوں کی دریافت کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ انگریزوں، فرانسیسیوں اور ولندیزیوں نے برصغیر پاک وہند کو اپنی جولان گاہ بنایا۔ مارکوپولو اور واسکوڈے گاما سے لے کر ای ایم فورسٹر اور رڈیارڈ کپلنگ جیسے سیاحوں اور ادیبوں نے ہندوستان پر خصوصی توجہ مرکوز کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد سے انگریزوں کے تسلّط تک برصغیر اور یورپ کے مابین ایک مضبوط رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ انگریزوں کے عہد میں ہندوستانی معاشرت پر بدیسی اثرات بہت نمایاں ہونے لگے۔ محکوم رعایا کے دل میں حاکموں کی تہذیب ومعاشرت سے آگاہی کا شوق موجزن ہوا، اور اس طرح اُردو سفرناموں میں یورپ کی معاشرت کی جھلکیاں نظر آنے لگیں۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اُردو کا اوّلین سفرنامہ ''عجائباتِ فرنگ'' (۱۸۴۷ء) از یوسف خاں کمبل پوش یورپ ہی کا سفرنامہ ہے۔ اس سفرنامے میں تحیّر وتجسّس اور اسلوب کی شگفتگی کے ساتھ ساتھ اہم بات یورپ کی معاشرت کی تصویر کشی ہے۔ ''مسافرانِ لندن'' میں سرسیّد احمد خان نے انگلستان کی معاشرت کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ اس طرح قارئین یورپی معاشرت کے اِبتدائی نقوش سے آگاہ ہوئے۔

ان اِبتدائی سفرناموں کے بعد اُردو سفرناموں میں یورپ نامے لکھنے کی ایک مستقل روایت پروان چڑھتی نظر آتی ہے۔ تقسیم کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے متعدد سفرنامہ نگاروں نے سیاحتِ یورپ کے حالات قلم بند کیے۔ خصوصاً پاکستانی سفرنامہ نگاروں نے کثرت سے یورپ کے سفرنامے لکھے اور یورپ کی معاشرت کے گوناگوں پہلوؤں پر قلم اُٹھایا۔ یہ بات لائقِ توجہ ہے کہ بعض سفرناموں کے عناوین سے متبادر نہیں ہوتا، کہ یہ یورپ کے سفرنامے ہیں۔ مثال کے طور پر چند سفرناموں کے نام ملاحظہ کیجیے:

i۔ دجلہ از شفیق الرحمٰن (مصر، جرمنی، عراق)

ii۔ سفرِ آرزو از مسرت سلیم (مکہ، مدینہ، امریکہ، کینیڈا، یورپ، ہانگ کانگ، بنکاک)

iii۔ سورج میرے پیچھے از سیّد ضمیر جعفری (حرمین شریفین، برطانیہ، امریکہ، بھارت)

iv۔ اور نیل بہتا رہا از رفیق ڈوگر (برطانیہ، فرانس، قاہرہ)

اب جب کہ اُردو سفرنامے کی تاریخ ایک سو چھیاسٹھ سال پرانی ہو چکی ہے۔ اُردو ادب میں یورپ کے سفرناموں کی ایک کثیر تعداد اور وسیع خزانہ موجود ہے۔ ان تمام نگارشات پر تحقیقی و تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت تھی۔ ''اُردو سفرنامے میں یورپ کی معاشرت'' اس لحاظ سے ایک اہم ترین موضوع تھا، جس کے پس منظر میں اُردو ادب کی مقبول صنف سفرنامے کی اہمیت کو اُجاگر کرنا اور اس کثیر الجہتی صنفِ ادب کی جانب ناقدین کی توجہ مبذول کرانا شامل ہے۔

اُردو سفرنامے کے سلسلے میں یہ اَمر باعثِ حیرت ہے کہ سفرنامہ اُردو ادب کی بے حد مقبول صنف ہونے کے باوجود ناقدین کی خصوصی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے، چنانچہ اُردو سفرنامے کی تاریخ و تنقید پر صرف چند کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ہمارے ناقدین ایک عرصہ تک سفرنامے کی ادبی حیثیت کو تسلیم کرنے میں لیت و لعل سے کام لیتے رہے ہیں اس لیے تحقیق و تنقید کے میدان میں سفرنامہ ہنوز بہت پیچھے نظر آتا ہے۔

سفرناموں کے بارے میں چند تنقیدی کتابوں اور گنتی کے مقالات کے علاوہ تحقیق کے اِس میدان میں زیادہ تنوع نظر نہیں آتا حالانکہ آغاز سے اب تک سفرنامہ ہیئت، تکنیک، اسلوب اور موضوع کے اعتبار سے کسی دوسری ادبی صنف سے کم ثروت مند نہیں ہے۔ مشتاق احمد یوسفی نے تو از راہِ تفنّن یہاں تک کہہ دیا ہے کہ آج کل اُردو ادب میں بہترین فکشن سفرنامے کی صورت میں لکھا جا رہا ہے۔ آج سفرنامہ محض احوالِ سفر کا مجرد بیانیہ نہیں رہا بلکہ رپورتاژ، مختصر افسانے، مہماتی تحریروں اور ناول کے عناصرِ ترکیبی سے مملو ہو کر رنگا رنگ بیانیے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کے بتائے ہوئے اصول اب سفرنامہ نگار کے لیے زیادہ سودمند یا قابلِ اعتنا نہیں رہے بلکہ جدید سفرنامے نے اپنے اصول خود وضع کیے ہیں۔ ان نئے اصول و ضوابط کی بنیاد پر سفرنامے کی جانچ اور پرکھ نہایت ضروری تھی تا کہ اس صنفِ ادب کی علمی، ادبی اور تاریخی افادیت کو اُجاگر کرنے کے لیے اس کے وسیع و عریض اور متنوع پہلوؤں کو سمیٹا جا سکے۔

راقم الحروف نے ایم۔اے اور ایم۔فل کی سطح پر بالترتیب ''اُردو سفرنامے میں طنز و مزاح کے عناصر ــــ قیامِ پاکستان کے بعد'' اور ''اُردو سفرنامے میں جنس نگاری کا رجحان ۱۹۴۷ء کے بعد'' جیسے موضوعات پر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کی نگرانی میں اپنے تحقیقی مقالات تحریر کیے ہیں۔

اُردو شعروادب میں یورپی معاشرت کا ذِکر عموماً طعن وتعریض کی صورت میں ملتا ہے۔ اکبر اور اقبال نے یورپی معاشرت کی بوالعجبیوں اور نیرنگیوں کا ذِکر کیا ہے۔ دراصل یورپی معاشرت کا قوام جن عناصر سے ترکیب پاتا ہے وہ ہماری اقدار سے بہت مختلف ہے۔ یورپی نظریۂ حیات، فلسفۂ مذہب اور طرزِ زیست ہم سے بہت کم مماثلت رکھتے ہیں اس لیے رڈیارڈ کپلنگ کا یہ قول اس بُعد القطبین کی بالکل صحیح نشاندہی کرتا ہے:

''مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب۔''

اگرچہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں جب دُنیا ایک عالمی گاؤں کا رُوپ دھار چکی ہے۔ ہم ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کی بدولت گھر بیٹھے مُلک مُلک کی سیر کر سکتے ہیں لیکن کیمرے کی آنکھ معاشرت کی وہ تصویر کشی نہیں کر سکتی جو ایک دیدۂ بینا سے ممکن ہے۔ ایک اچھا سفرنامہ نگار معاشرت کے مختلف مظاہر کا ناظر ہی نہیں ہوتا بلکہ نقاد اور نباض بھی ہوتا ہے۔ وہ اپنی تیز بصارت اور تنقیدی بصیرت کے باعث معاشرت کا فکر انگیز تجزیہ بھی پیش کرتا ہے اور قارئین کو اپنے ہمرکاب لے کر چلتا ہے۔

یورپ ایسی سرزمین ہے جو اپنے لینڈ سکیپ، آب وہوا، تہذیب وتمدن اور معاش ومعاشرت میں ہمارے خطے سے بہت مختلف ہے۔ سفرنامہ نگار شعوری یا لاشعوری طور پر دونوں علاقوں کا تقابلی مطالعہ کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔ یورپی تہذیب کے اچھے تمدنی پہلوؤں کو پیش کرتا ہے، وہاں کے افراد کی پابندیٔ وقت، راست گوئی، فرائضِ منصبی کی بجا آوری اور سخت محنت وغیرہ سفرناموں سے کسی نہ کسی انداز میں نمایاں ہو جاتی ہے، جن سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس یورپی تمدنی زندگی کے بہت سے منفی پہلو بھی ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر جانا، افراد کا تنہا رہ جانا، اعصاب زدگی، ذہنی اُلجھنیں، فرد کا مشین بن کر رہ جانا وغیرہ ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ سکونِ قلب کی قیمت ادا کر کے مادی ترقی انسانوں کے لیے مجموعی طور پر مضر ہے۔ سفرنامہ نگاروں کے ہاں مختلف اور متنوع اسالیب ملتے ہیں جن سے اُردو نثر میں بہت اضافے ہوئے ہیں۔ موضوعِ زیرِ نظر پر تحقیق کی تکمیل ہونے پر نہ صرف بہت سے تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی امور سامنے آئے ہیں بلکہ اب اُردو نثر میں سفرنامے کے اسلوب میں جو عمدہ اضافے ہوئے ہیں ان کے مطالعہ کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

راقم الحروف نے اپنے مقالہ ''اُردو سفرنامے میں یورپ کی معاشرت'' کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں سفرنامے کے فنی مباحث اور معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے اور ان دونوں کا باہمی تعلق ظاہر کیا گیا ہے۔

دوسرا باب سفرنامے کے آغاز ۱۸۴۷ء سے ۱۹۴۷ء یعنی قیامِ پاکستان تک کے سفرناموں پر محیط ہے۔ اس باب میں ابتدائی دور کے سفرنامہ نگاروں کے اس خاص زاویۂ نگاہ کی وضاحت ہے جس کے تحت انھوں نے یورپی معاشرت کا مشاہدہ کیا

اوراسے پیش کیا۔

باب سوم ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک کے اُردو سفرناموں پر مشتمل ہے۔ اس باب میں برصغیر کے سفرنامہ نگاروں کے اس مخصوص زاویۂ نگاہ کا تجزیہ ہے جو قیامِ پاکستان سے ہونے والی جغرافیائی تقسیم کے زیرِ اثر پیدا ہوا اور یہ مخصوص طرزِ فکر یورپ کے سفرنامے تحریر کرنے والے اُردو ادیبوں پر کس طرح اثر انداز ہوا، اس کی بھی توضیح کی گئی ہے۔ مقالے کا چوتھا باب ۱۹۷۱ء سے ۲۰۰۰ء پر محیط ہے۔ اس دور میں سفرنامے میں فکشن کے عناصر اور رپورتاژ کے محاسن ایک خاص ترتیب سے شامل ہوئے۔ اس باب میں اس اَمر کی خصوصی توضیح کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔

باب پنجم میں اکیسویں صدی کے عشرۂ اوّل میں تحریر کیے گئے سفرناموں کا تذکرہ ہے۔ ان سفرناموں نے یورپی معاشرت کی کچھ نئی جہات بھی نمایاں کیں جن کا تجزیہ اور مطالعہ اس باب کے اجزا ہیں۔ باب ششم اُردو ادب کے چند منتخب اور رجحان ساز سفرنامہ نگاروں کے خصوصی مطالعے پر مشتمل ہے۔ ان سفرناموں نگاروں میں محمود نظامی، ابنِ انشاء، مستنصر حسین تارڑ اور عطاء الحق قاسمی شامل ہیں۔ یہ چاروں نام اُردو سفرنامے کی تاریخ میں اہم ترین سنگ ہائے میل ہیں۔ اُردو سفرنامے کا مجموعی مزاج انھی حضرات کی تحریروں سے متشکل ہوتا ہے۔ محمود نظامی نے ''نظر نامہ'' میں یورپی معاشرت کا بڑا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ ابنِ انشاء کے سفرناموں میں ژرف نگاہی اور شگفتگی کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے سفرنامے میں افسانوی رنگ پیدا کیا اور سفرنامے کی مجموعی ہیئت میں کئی اہم تبدیلیاں کیں جب کہ عطاء الحق قاسمی نے سفرنامے کو نظر اور خبر کے ساتھ رومان اور مزاح کا ذائقہ عطا کیا ہے۔ ان سفرنامہ نگاروں نے اپنی تحریروں میں یورپی معاشرت کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ یہ چاروں صاحبِ اسلوب سفرنامہ نگار ہیں اور مقبولیت کے اعتبار سے بھی ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ ان کے سفرناموں میں جملہ اصناف کے ادبی محاسن بدرجہ اتم موجود ہیں اور اب سفرنامہ اُردو کی ایک معتبر صنفِ ادب قرار پائی ہے۔ اس خصوصی مطالعے سے مقالے کا مجموعی تاثر اُبھرتا ہے۔ اس لیے ان سفرنامہ نگاروں کا تجزیاتی مطالعہ الگ باب کا متقاضی تھا۔

تفویضِ عنوان سے لے کر تحقیقی مقالہ کی تکمیل تک مجھے جن مصائب و مشکلات سے گزرنا پڑا میں ان کا ذکر کر کے ان صفحات کو بارِ گراں نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تحقیق جن مشکلات اور مصائب کی متقاضی ہے ان کا درپیش آنا تعجّب کی بات نہیں بلکہ درپیش نہ آنا تعجّب اور تشکیک کا باعث ہے مگر اتنی بات میں ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تحقیق کے اس سفر میں اگر کچھ مسافر نواز شخصیات نہ ہوتیں تو شاید تحقیق کی منزل کا نشان نہ ملتا۔ جناب ڈاکٹر محمد ہارون قادر جو میرے نگران مقالہ ہیں، ان کی بے پایاں شفقت، خصوصی رہنمائی اور گہری توجہ کے باعث یہ تحقیقی مقالہ مکمّل ہوا۔ اس مقالے کی تکمیل ان کے تعاون کے بغیر ناممکن تھی۔ میں ان کا تہہِ دِل سے شکر گزار ہوں۔

میں اُستادِ محترم جناب ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا ممنونِ احسان ہوں کہ انھوں نے نہ صرف میرے مقالے کا عنوان تلاش کرنے میں رہنمائی فرمائی بلکہ دورانِ مقالہ بھی اپنے فیض کا چشمہ میرے لیے جاری رکھا۔ اُستادِ مکرم جناب ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کا میں اِس لحاظ سے سپاس گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے سفرنامہ نگاری کی تحقیق کا مسافر بنایا اور اس سفر کے ہر ہر قدم پر مجھے اپنی خصوصی شفقت سے نوازتے رہے۔

میں اپنے والدِ محترم جناب پروفیسر محمد اسلم کا شکریہ ادا نہ کروں تو تشکّر کا یہ باب اپنی اہمیت کھو دیتا ہے کیونکہ مجھے تعلیمی، علمی، ادبی اور تحقیقی سفر پر عزمِ صمیم دے کر گامزن کرنے والی وہی عظیم شخصیت ہیں۔ اپنی والدہ محترمہ کی دُعاؤں اور شفقتوں کا ذِکر میں الفاظ میں کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ ان کے علاوہ میں اپنی اہلیہ، اپنی بہن اور بھائیوں کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اِس سارے سفر میں میرے معاون رہے۔ تشکّرات کے اس سلسلے میں مَیں اپنی دونوں ننھّی بیٹیوں خدیجہ اور اریبہ کا ذِکر یوں اہم سمجھتا ہوں کہ میرے آنگن میں کھلنے والے ان دو ننھّے پھولوں کی مہک نے تحقیق کی سختیوں سے پیدا ہونے والی تلخی کو کم کیے رکھا۔

مواد کی جمع آوری میں میرے ساتھ جناب ڈاکٹر سعید احمد، جناب ڈاکٹر محمد ہارون عثمانی، ڈاکٹر صائمہ ارم، جناب زاہد سیال، جناب محمد احمد خان، جناب عبدالشکور اور گورنمنٹ میونسپل کالج فیصل آباد کے لائبریرین جناب سلیم ملک نے میری مدد کی، میں ان کا ممنونِ احسان ہوں۔ عبدالمجید کھوکھر لائبریری گوجرانوالہ کے مہتمم جناب ضیاء اللہ کھوکھر اس لحاظ سے میرے اس تحقیقی سفر میں نہایت مدد و معاون ثابت ہوئے کہ اُن کے پاس اُردو سفرنامے کا وہ وسیع ذخیرہ موجود ہے جس کا کسی بھی دوسرے مقام پر موجود ہونا بعید از قیاس ہے۔ میں ان ابھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھ ناچیز اپنے ذخیرۂ کتب سے اِستفادہ کا موقع دیا اور اپنی شفقت سے نوازا۔ جناب ڈاکٹر محمد افضل حمید میرے ایسے بے تکلّف اور مہربان دوست ہیں کہ جنھوں نے مجھ پر اپنی تمام ذاتی کتب کے دریچے وا کر دیے اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنے نہایت قیمتی مشوروں سے نوازا۔ ان کی یہ شفقت میرے تحقیقی سفر کا اہم ترین زادِ راہ رہی۔ میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں مگر محض لفظ شکریہ یہاں پوری طرح میرے جذبات کا احاطہ نہیں کرتا۔

میرے احباب میں سے جناب امیر عاصم، اُلفت عباس اور خصوصاً دو دوستوں جناب باقر وسیم اور جناب عدنان بشیر کا اظہارِ تشکّر کرنا بھی مجھ پر واجب ہے کہ انھوں نے ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی اور مجھے کسی لمحے تنہا نہیں ہونے دیا۔ اس تحقیقی مقالے کی بروقت کمپوزنگ کے لیے میں ادارہ مثال پبلشرز کا بھی ممنون اور اس کی پروف خوانی کے لیے جناب رانا محمد سلیم اختر اور میرے شاگرد جناب شہزاد علی نے خصوصی وقت مختص کیا، ان سب کا شکریہ اور ان کے لیے ہزاروں پُرخلوص

دُعائیں۔ میرا ایمان ہے کہ ان تمام شخصیات کے خلوص اور محبّت کے ساتھ ساتھ میں دُعاؤں کی ایک دولتِ بے بہا ساتھ لے کر روانہ رہا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر گزار ہوں کہ جس کی وجہ سے میری مساعی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کی رحمتِ بے پایاں مجھ پر سایہ فگن رہیں اور رحمت اللعالمین حضرت محمد ﷺ کی محبّت نے میری رُوح کا گلشن مہکائے رکھا۔

جس کے بل بوتے پر تحقیق کا عنوان جو محض ایک خیال تھا آج لفظوں کی صورت میں ترتیب پا کر آپ کے سامنے ہے۔

یہ تحقیق معیار کی کسوٹی پر کتنی پوری اُترتی ہے اس کے بارے میں نہ کچھ کہا جا سکتا ہے اور نہ کوئی دعویٰ ممکن ہے۔ انسانی تحقیق اور تخلیق اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمی ضرور رکھتی ہے۔ یہی اَمر ارتقا کا سفر جاری رکھتا ہے اور تحقیق کے راستے سنسان نہیں ہوتے اور اِمکان کی دُنیا آباد رہتی ہے۔

ذوالفقار علی